شکیل حسین سید
استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ ملت ڈگری کالج ملتان

ڈاکٹر انوار احمد کی افسانہ نگاری

Dr. Anwar Ahmad as a Short Story Writer

Anwar Ahmad is not only the critic of Urdu short story writing but also a unique and great short story writer. In the stories of 'AkhariKhat', new topics and a new though are evident. His style is also unique. His style is perfectly in accordance with his themes. Every idea, every emotion and every thought finds its true expression and narration. His characters are also a perfect match for their peculiar regions, language and mentality. These stories reflect contemporary civilization and society. These stories impart versatile themes, new technique and style. His stories show that the has a very strong relation with the tradition as as well as modern trends. Through these stories, he has come out to be a unique artist is short story writing.

Keywords: *Urdu short story, Akhri Khat, versatile technique and style, civilization and society of Pakistan*.

ہر ادیب اپنے عہد میں اپنی تخلیقی قوتوں کو بروے کار لا کر ادب کی مختلف اصناف میں اپنی تخلیقی صلاحیتں آزماتا ہے اور ہمہ جہت شخصیت کے حوالے سے یہ کہنا بہت مشکل ہو گا کہ ادب کی کس صنف میں کتنے کامیاب اور کتنے ناکام ہیں؟ ایسے میں کسی ادیب کے بارے میں یہ طے کرنا کہ وہ کس صنف میں زیادہ کامیاب ہے؟ اور کتنا عرصہ گزر جانے کے بعد وقت اس کا فیصلہ کرتا ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد نقاد ہونے کے ساتھ ساتھ افسانہ نگار اور "یادگار زمانہ ہیں جو لوگ" کے منظرِ عام پر آنے سے ایک خاکہ نگاری کے حوالے سے بھی اپنی پہچان کروا چکے ہیں۔ ایک نقاد اور خاکہ نگار کی حیثیت سے ان کا جو بھی مقام ہو مگر بحیثیت افسانہ نگار وہ بلند پایہ اور منفرد فنکار ہیں۔

"آخری خط" مثال پبلی کیشنز، فیصل آباد طبع ہونے والا نیا افسانوی مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ۲۸ کہانیاں ترتیب دی گیٔ ہیں۔ ۲۱ افسانے جو ۱۹۷۲ء سے ۲۰۰۷ء تک بالترتیب "ایک ہی کہانی" اور "پہلے سے سنی ہوئی کہانی" دونوں مجموعوں میں شائع ہو چکے ہیں اور اسی مجموعے میں 'گوشہ ترکی' میں پانچ (۵) اور گوشہ جاپان میں دو (۲) افسانے شامل کیے گئے ہیں۔

یہ آخری خط 'نمروت کی چوٹی سے'، 'اُمیت کوئے'، 'انقرہ کے غلوپارک' کی 'لالے گل' جاپان سے 'شیاما' اور 'ناؤ می' کی دکھ بھری کہانی لایا ہے۔

"آخری خط" کے پہنچنے میں تاخیر یا باعث تاخیر جو بھی ہو یا شاید ڈاکٹر انوار احمد جو افسانے کے ثقہ قاری ہونے کے علاوہ اردو افسانے کی تنقید میں نمایاں نام رکھتے ہیں، تخلیقی عمل کے دوران افسانے کا سخت ناقد اُن کی تخلیقات پر کڑی نظر رکھتا ہے اور حساس ہونے کے باعث اُن کا تنقیدی شعور افسانے کی اشاعت اور اُن کے انتخاب پر مجبور کرتا ہے اور "آخری خط" میں شامل افسانوں کا انتخاب اُن ناقدانہ نظروں کا عکاس ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی کا ڈھانچہ معیشت و معاشرت، ادب و مذہب اور سیاست کے ستونوں پر قائم ہوتا ہے۔ عصرِ حاضر میں سیاسی حوالہ اس لیے توانا اور موثر ہے کہ اس راستے سے آنے والی تبدیلیاں سماجی زندگی میں انقلاب برپا کر دیتی ہیں۔ "آخری خط" میں شامل ابتدائی افسانے عصری انتشار کی وجوہ میں سیاسی بدامنی کو سب سے بڑا محرک ظاہر کرتے ہیں۔ اس محرک نے معاشرتی زندگی اور انسانی اعمال و اخلاقیات اقدار کا چہرہ مسخ کر دیا ہے۔ سیاسی صورتحال بالخصوص مارشل لا اور اس کے جبر کے تناظر میں سیاسی و سماجی خرابیاں جہاں اُن کے افسانوں کا اہم موضوع بنتی ان کی ترقی پسند فکر کی غماز بھی ہیں۔ موضوعاتی اعتبار سے ان کہانیوں کو ملکی سیاسی صورتحال کے پس منظر اور پیش منظر، سماجی حقیقت نگاری، ترکی اور جاپان کی تہذیب و معاشرت کے پس منظر میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ستر کی دہائی میں پاکستان کو جغرافیائی سطح پر دولخت ہونے کی وجہ سے ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ عدم تشخص کا سوال جو پہلے ذات کے تعین کے حوالے سے اٹھا تھا اب قومی سطح پر حل طلب تھا۔ افسانہ "آسٹروٹرف" پاکستان کے ملکی و سیاسی مسائل ہجرت کے بعد اپنی تہذیبی جڑوں اور شناخت کی تلاش، معاشی جبر اور سیاسی حالات کی بدولت اختیار کی جانے والی جلاوطنی، عدم تحفظ اور محرومی کے احساس کو عمر رسیدہ متکلم کی خود کلامی کے ذریعے اجاگر کیا گیا ہے۔

> "ہماری شکست کی وجہ آسٹروٹرف ہے۔ یہ زمین کے اوپر زمین ہے مگر اسے زمین بھی نہیں کہا جاسکتا۔ اس کی خصوصیات یہ ہے کہ اگر اسے مسلسل پانی نہ پلایا جائے تو اس پر چلنے والوں کے تلوے جلتے ہیں کیا اسلام کو اس قلعے کو اپنی مٹی بھی نصیب نہیں ہوسکی"[(۱)]

جنرل ضیاء الحق مارشل لا کا گیارہ دو سالہ طویل عرصہ پاکستان کی سیاسی تاریخ میں تاریک دور ہے۔ سیاسی اور جمہوری سرگرمیوں کا تعطل من پسند اسلام کی تعبیریں، قید و بند، جسمانی تشدد، غیر انسانی سزائیں، سر عام کوڑا زنی، جبر و خوف کا دور تھا۔ دور آمریت میں اختلاف رائے رکھنے والوں پر ظلم و تشدد سے اور خوف و ہراس پھیلا کر انہیں خاموش یا اپنا مطیع و فرمانبردار بنانے اور اضطراب، خوف احساس تنہائی اور معاشی و معاشرتی استحصال کے ذریعے عوام سے مزاحمت اور احتجاج کا حوصلہ چھیننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ان تمام ہتھکنڈوں کے باوجود بھی ظالم و جابر کے سامنے کلمہ حق کہنے والوں کی زبانیں کاٹ دی جاتی ہیں۔

افسانہ "پہلا محب وطن بچہ" میں ایک ایسے ہی قدیم اور تاریخی شہر میں ایسی رعایا پیدا کرنے کی کوشش ہے جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ آخری شخص جو سوچ و بچار کے جرم کا مرتکب ہو کر غدار ٹھہرا تھا اس نے گھناؤنی سازش والی رات خسرو کے ٹوٹے ہوئے ستار سے اپنی زبان کاٹ لی تھی۔ کیونکہ محب وطن وہی ہے جو سوچتا نہ ہو۔

> "کچھ عرصہ اس نے سکول ماسٹری کی ننھے معصوم بچے اپنی توتلی زبانوں کے ساتھ جب سوال کرتے تو اس کی کوشش ہوتی کہ ان سوالوں کے ایسے جواب دیئے جائیں کہ وہ اور سوال کریں تاکہ وہ خود یا ان کے بڑے سوچنے لگ جائیں کہ حاکم رعایا کی زبانوں سے کیوں ڈرتے ہیں؟ خود ساختہ امیر المؤمنین کیوں کہتے ہیں کہ محب وطن وہی ہے جو سوچتے بالکل نہ ہوں" (۲)

"جب راج کرے گی خلق خدا" میں جبر و تشدد کے خلاف مزاحمت کرنے والوں کے لئے سر عام سزاؤں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ نام نہاد اسلامی حدود آرڈیننس کی آڑ میں معصوم اور بے گناہ لوگوں کو حوالات میں قید کرنا۔ معمولی جرائم کے الزام میں ذاتی مفادات کے پیش نظر عوام الناس کے ذہنوں میں ڈر اور خوف پیدا کرنے کے لئے ان کی چیخوں کی آوازیں دور دور تک پہنچا کر انہیں عبرتناک انجام سے دوچار کرنا ہے۔

> "پھر ٹکٹکیوں سے باندھ کر باضمیروں کو اس طرح کوڑے مارنے کی ہدایت آئی کہ ان کے منہ کے آگے مائیک رکھ کر چیخوں کو مہیب اور عبرت ناک بنا دیا جائے" (۳)

"کمال بستی جبڑا چوک میں" ان نام نہاد عدالتی کاروائیوں پر طنز کیا گیا ہے جو ہر نئے حاکم کے تسلط کو قائم رکھنے کے لئے ابن الوقتی کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ ان عدالتی کاروائیوں میں جسے چاہیں وطن دشمن اور غدار ثابت کر کے

خود ساختہ مقدمات میں پھانسی پر لٹکا دیں۔ افسانہ میں ان روشن خیال ترقی پسند عوام کے نمائندوں کو سیاسی قیدی بنا کر عقوبت خانوں میں جسمانی و ذہنی تشدد اور ان پر تھرڈ ڈگری استعمال کر کے انہیں اپنے مقصد سے پیچھے ہٹنے معافی نامہ پر دستخط کرنے پر مجبور کیئے جانے کو اجاگر کیا گیا ہے۔

> "میں ساری زندگی زیر تفتیش رہا مرے آقا یہ دیکھو حلف توڑنے والوں نے میرا ہر ناخن گوشت سے جدا کر دیا ہے۔ چوری کی ہوئی بجلی سے میرے جسم کے نازک حصوں کو جھٹکے دیئے گئے ہیں" (۴)

"بچھوؤں کے ساتھ رات" میں علامتی انداز میں ان استعماری قوتوں (امریکہ) کو موضوع بنا کر پاکستان کی سیاسی تاریخ کے ایک کڑوے سچ کو بیان کیا گیا ہے۔ اپنے ذاتی مفادات اور مصلحت کوشش حکمرانوں نے اپنی گونگی ماں (دھرتی، وطن) بچوں (عوام) کو ان بچھوؤں کے حوالے کر دیا ہے جو عوام کا بدن کاٹ کاٹ کر نیلا کر رہے ہیں۔ بہت سی کوشش کے باوجود مرتے نہیں بلکہ ٹکڑے اور بچھوں ہمیشہ سے تتلیوں کے مقابلے میں جنگ جیت جاتے ہیں تاہم تتلیاں مرنے سے پہلے اپنی تڑپ اور پھڑک سے مزاحمتی رنگ ضرور چھوڑ جاتی ہیں۔

"یرغمالی" جمہوریت اور آمریت کی کشمکش کے تناظر میں لکھا گیا علامتی افسانہ ہے جس میں ٹرین کا اپنے سٹاپ کے بغیر رکنا، جمہوری حکومتوں کا اپنے وقت سے پہلے معطل ہونے اور ملک پر ایک بار پھر مارشل لاء کا اشارہ ہے۔ "آخرت ایکسپریس" میں پاکستان کی کٹھ پتلی حکومتوں،، نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے لئے عالمی قوتوں کے حربے اور ملک کی سادہ لوح عوام کو مذھب کے نام پر بے وقوف بنانے کے لئے علماء کرام مجہول تقدیر پرستی کا پرچار کر کے ان طاقت ور نادیدہ ہاتھوں کو طاقت پہچانتے ہیں اور عوام جذباتی استیصال کرتے ہیں۔

> "وزیر اعظم نے بے چینی سے وزیر مذہبی امور کی طرف دیکھا اور کہا یہ بجٹ اسپیچ آپ مکمل کریں گے۔ قوم کو قربانیوں کے لئے تیار کرنا ہے اسمیں اسلام کا فلسفۂ قربانی ڈال دیجئے۔" (۵)

"گرجھوں والی سرکار کی دعا" میں دکھیاری ماں علامتی کردار ہے جس کا آدھا ننگا سر آدھے پاکستان کی علامت ہے۔ یہ دکھیاری ماں پاکستان کے سیاسی حالات بالخصوص جنرل ضیا کے مارشل لاء کے ظلم و جبر تشدد اور بھٹو کی پھانسی کی المناک داستان سناتی ہے جو اس تاریک دور ضیا میں ملک کے دانشوروں، وفاداروں اور روشن خیال دوستوں کے ساتھ نجی و سرکاری عقوبت خانوں میں رکھے گئے ہیں۔

"سائیں جی، آکھدی اے جو میں، ماں ہاں، پر جس پتر سے میری بنی ہو یا وہ میری خدمت کرنے جو گا ہو اس اس کو پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ میں منت زاری کروں تو کہتے ہیں کو دن رن یہ تمہارے ہی فائدے میں ہے ورنہ یہ پتر بھورے تو تیرا سودا کیے بیٹھے ہیں میں ہتھ جوڑ کے کہتی ہوں کہ ماں سے بھی تو پچھے جو کون کملا اس کی عزت و آبرو کا پہرے دار ہے اور کون چندرا سودا گیر۔" (٦)

'پہلا محب وطن بچہ'، 'دارداں دی ماری دلڑی علیل اے'، 'پہلے سے سنی ہوئی کہانی'، 'بچھوؤں کے ساتھ رات'، 'انتظار میں ڈوبا ہوا گھر' اور 'اب راج کرے گی خلقِ خدا۔' ان کہانیوں میں جہاں شخصی بے حسی موجود ہے احتجاج اور مزاحمت کے رویے بھی کہانی کی زیریں سطح پر موجود رہتے ہیں جو کہ نعرہ اور پروپیگنڈا نہیں بنتے البتہ مارشل لائی جبر کے خلاف لکھتے ہوئے طنزیہ اسلوب نمایاں ہے۔

"اس کی وردی پر بہت سے تمغے چمک رہے تھے، اس نے ایک ہزار واٹ کے بلب کا رُخ مطلوبہ سمت میں کیا اور کہا" تخمِ حرام! ماں کے ساتھ بدکاری کرتے ہو؟"

جناب والا! میری ماں کے ساتھ تو بدکاری آپ نے کی ہے، یہ ریفرنڈم کرا کے "

"اس کتیا کی اولاد کو اس کی ماں کا پیشاب پلاؤ۔" (٧)

ستر کی دہائی میں مارشل لا کے خلاف معاشرتی اور سیاسی رد عمل میں ترقی پسند ادیبوں نے مزاحمتی اور احتجاجی ادب تخلیق کیا۔ ضیا الحق کا بدترین مارشل لا سقوط ڈھاکہ اور ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے واقعات نے اُردو ادب کو بالخصوص افسانوی ادب موضوع اور فکر کو نئی جہات سے روشناس کرایا۔ ان افسانوں میں مارشل لا کے مظالم جمہوریت پسندوں اور روشن خیال عوام پر مذہبی اصطلاحات کی آڑ میں تشدد۔ مارشل لا کو طول دینے کے لیے نام نہاد ریفرنڈم، سیاسی مخالفین کو رام کرنے کے لیے لالچ اور شرمانے والوں پر کوڑوں کی سزائیں مکالماتی اور کہیں علامتی اسلوب میں بیان کی گئی ہیں۔

"پھر سانپ جیسی آنکھوں والے کا دور آیا اور نئے سرے سے مسلمانوں کے جتنے چیک ہونا شروع ہو گئے۔ ایک صالح جماعت نے اس حاکم کے سائے میں اخبارات، سرکاری ملازمتوں خاص طور پر تعلیمی اداروں میں طہارت کے بہانے کئی لوگوں پر رزق کے دروازے بند کرنے شروع کیے"۔ (٨)

ذوالفقار علی بھٹو جو روشن خیال ادیبوں اور اس خطے (پاکستان) کی نئی امید تھا جو ایوبی مارشل لا کے بعد عوامی اور جمہوری لیڈر کے طور پر سامنے آیا روٹی کپڑا اور مکان کے نعرہ میں مقہور اور پسی ہوئی عوام کو اپنی منزل دکھائی دینے لگی جسکی خاطر انہوں نے ۱۹۴۷ء میں قربانیاں دیں تھیں۔ مگر ایوبی اور ضیا الحق کے مارشل لا نے اُن کے سارے خواب اور خواب دیکھنے والوں کی آنکھوں کو نوچ پھینکا اور ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ "درداں دی ماری دلڑی علیل اے" روشن آنکھوں والے بھٹو علامتی اور اساطیری حوالے سے افسانے کو قومی تاریخ کی دستاویز کے ساتھ ساتھ افسانوی جدت عطا کرتے ہیں۔

> "اور پھر جو رات آئی، تو اس کی صبح نہ ہو سکی آدھی رات کے اندھیرے میں ہی روشن آنکھوں والے کی لاش ہم میں اس طرح رکھ دی گئی کہ ہم سب اس وہم میں مبتلا ہوئے کہ قاتل ہم ہی ہیں اور کبھی اس خوف میں گرفتار کہ مقتول بھی ہم ہیں ذرا دیر بعد ہم میں جو ہوش میں آیا وہ رونے لگا فوراً اس پر ایک باز جھپٹا۔۔۔ تب ہم پر یہ کھلا کہ ہمیں گریہ کا حق بھی نہیں"۔ (۹)

سیاسی آشوب کے تناظر میں ان کہانیوں میں طنز کے نشتر علامتی اور استعاراتی اسلوب کہانی کے حسن اور فنی تقاضوں سے متجاوز نہیں ہوتا۔ اصغر ندیم سید لکھتے ہیں:

> "وہ احتجاج کے لہجے میں بھی فنی تقاضوں کو اولیت دیتا ہے حالانکہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ احتجاج اتنا بھرپور ہو کہ دشمن کی کمر توڑ دے لیکن وہ اس طرح اپنے کرافٹ کی باریکیوں اور پہلوؤں کو ضائع کر کے مقصد حاصل کرنے کو ترجیح نہیں دیتا"۔ (۱۰)

انوار احمد کی کہانیوں کا دوسرا بڑا موضوع معاشی و معاشرتی، اخلاقی و تہذیبی مسائل ہیں۔ بیسویں صدی کے سیاسی واقعات کے تناظر نظریاتی و جماعتی، آویزش معاشی و سماجی سیاسی چیز کی بدولت نقل مکانی اور بیسویں صدی کی تہذیبی سطح پر معاشرتی ٹوٹ پھوٹ لایعنیت، روحانی اور ذہنی کرب اور نفسیاتی الجھنوں کو پیش کرتی ہے۔

"نوں جی" معاشرتی قدروں زوال کے ساتھ ساتھ اقتصادی مجبوریوں اور کساد بازاری کی داستان ہے۔ رکشے کا کرایہ ادا کرنے کے لیے نقدی "جسم" ہے مگر رکشہ ڈرائیور کے لیے جسم کی پونجی سے روپیہ اہم ہے اس لیے وہ اُس کے برہنہ جسم سے نظریں چراتے ہوئے اس کے اتارے ہوئے کپڑے کرائے کے متبادل کے طور پر لے جاتا ہے کیونکہ گھر میں نوں جی ہیں جن کے پیٹ پالنے کے لیے روزی روٹی اسکی جنسی خواہشات سے زیادہ اہم ہیں۔

"مجھے اندر بلا لیا اور کہنے لگی "میرے پاس پیسے بالکل نہیں مگر گھبراو نہیں میں پورا کرایہ چکا دوں گی"۔ اُس نے تو جی ایک ایک کر کے اپنے کپڑے اتارنے شروع کر دیئے بس جی اس نے ایک جھلنگی چارپائی پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں اور لمے لمے ہوکے بھرنے لگ گئی، موتیاں والیا! میں نے وہ کپڑے اٹھائے اور وہاں سے دڑک لگائی۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا "لعنت ہو تم پر خدا کی" بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی۔ وہ کہنے لگا باو جی! میرے گھر کھان والے نوں جی ہیں"۔ (۱۱)

مارشل لاء جمہوری اور سیاسی ڈھانچے کو توڑ کر زبردستی مسلط کردہ آمریت کا نظام ہوتا ہے۔ جو پورے سماجی و معاشرتی نظام کو اندر باہر سے مسخ کرتے ہوئے ایسی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے جو ہوا میں معلق ہوتی ہے۔ جو آمر کے ہٹتے ہی زمین بوس ہو جاتا ہے۔

"گونگی غراہٹ" قیام پاکستان کے بعد حاجی خواجہ جیسے استحصالی طبقے کی کہانی جو سرمایہ اور دولت فروانی سے معاشرے میں معزز مقام حاصل کر چکا ہے لیکن دولت کی یہ فراوانی معاشرے کے غریب ناداروں کا خون چوس کر حاصل کی گئی ہے۔ مختلف خیراتی اداروں کو وظیفے دے کر، قومی معیشت اور انسداد سمگلنگ پر تقریریں کرتے ہیں۔ مشاعروں اور مذاکروں میں مہمان خصوصی ہوتے ہیں۔ سب جانتے ہوئے بھی بول نہیں سکتے۔ ان کے الفاظ حلق میں اٹک کر رہ جاتے ہیں ان کی دولت پسے ہوئے طبقات کی آواز کو گونگی غراہٹ میں تبدیل کر دیتی ہے

"میں اپنے حاجی خواجہ کے پیچھے سو سو کرتا جاتا تھا اور ساتھ ساتھ یہ اطلاع بھی فراہم کر رہا تھا کہ رب ذوالجلال کی عنایت سے سارے ٹرک خیر وعافیت سرحد پار پہنچ چکے ہیں اور حاجی خواجہ بار بار اپنے اوور کوٹ کے اندر ہاتھ ڈال کر اپنے سوٹ کی ایک جیب میں موجود اس تقریر کو ٹٹول رہا تھا جو اسے قومی معیشت اور سمگلنگ کے انسداد کے موضوع پر ہونے والے مذاکرے میں بطور مہمان خصوصی کی حیثیت سے کرنا تھی"۔ (۱۲)

جدید سماج میں صنعتی ترقی اور مادیت پرستی کی دوڑ میں انسانی اقدار اور اخلاقی زوال ہوس زر نے انسان کو اس حد تک پستی سے دوچار کر دیا ہے کہ رشوت، جھوٹ، ہیرا پھیری، معاشرتی اور اخلاقی برائیاں زندگی گزارنے اور آمدن میں اضافہ کا ذریعہ بن گئی ہیں۔ مادیت پستی نے انسانی زندگی اور رشتوں میں بھی معنویت اور لایعنیت پیدا کر

دی ہے "ڈاکٹر دل محمد اور درد دل اور "محبت کی سیکنڈ ہینڈ کہانی" جس میں محبت کے جذبے کو ہوس، لالچ اور منافقت سے آلودہ دکھایا گیا ہے۔ حسن و عشق میں جو ازل سے اعتبار و اعتماد کا رشتہ تھا محبت کا یہ جذبہ آج زوال پذیر ہے۔

"دل محمد کسی کا بند ھیل نہیں کسی کار کھیل نہیں۔ اس طرح کے رشتوں میں وفا اور بے وفائی کا حساب کہاں سے آگیا؟ وہ خود بھی کسی کے ساتھ اعلانیہ رہتی تھی جس کو شوہر مانتے ہوئے وہ جھجکتی تھی"۔ (۱۳)

"نئی دنیا کی تلاش" اور "درخواست گزاروں کا میلہ" جدید صنعتی سماج میں انسانی اقدار کی پامالی، تیل کی دولت، سامراجی اور استعماری حربے ۱۱/۹ کے بعد انسان دولت کے نام پر اس روئے زمین پر آگ وخون کی ہولی کھیلنے والے پاپی نام نہاد ترقی اور تہذیبی برتری پر فخر کرنے والوں پر طنز کیا گیا ہے جنہوں نے اس کرہ ارض کو جہنم بنا دیا گیا ہے۔

"پھر کولمبس جونیئر کا لہو منجمد ہونے لگا کیونکہ اس نے دیکھا کہ معصوم انسانوں ہلاکت نازل کرنے والے مقتولین کے لہو سے ان کے جسموں اور پوشاکوں پر تہذیبی برتری کے نشان بنانے لگے"۔ (۱۴)

"آخری خط" کی کہانیوں میں موضوعات کی نئی فکری جہت نظر آنے کے ساتھ منفرد اسلوب کے نقوش بھی متعین ہونے لگتے ہیں اور انہیں نقوش میں روایتی اُسلوب کا رنگ ہے اور زبان و بیان میں نیا پیرائیہ بیان کے آہنگ کا حسین امتزاج ملتا ہے۔

بیانیہ موضوع کے تناظر میں ہر لمحہ تبدیل ہوتا ہے۔ بیرونی دباؤ کے حوالے سے زبان و بیان کا سانچہ مکمل طور پر مختلف ہوتا ہے۔ ان کہانیوں میں ہر خیال، ہر جذبہ، ہر فکری لہر اپنے اظہار اور بیان ساتھ لے کر اُبھرتی ہیں اور کردار اپنے مخصوص، مقامی، فطرت، زبان اور ذہنیت میں ڈھلتے نظر آتے ہیں:۔

"او سائیں گرجھوں والی سرکار! اس سے پہلے کہ میرا یہ ادھا سر بھی ننگا بچا ہو جائے، اس بستی کوں برباد چا کر، جو ظلم تے قہر کے برباد ہونے کا بیا راستہ نظر نہیں آتا۔"(۱۵)

مقامی زبانوں کے نامانوس محاورے اور دوسری زبانوں کے الفاظ کا استعمال اُن کی کہانیوں میں اُسلوب کو نیا پن دیتا ہے اور یہی جدت اور انفرادیت اُن کے ہاں حقیقی اور فطری صورتحال کو جنم دیتی ہے۔

اس مجموعہ میں "آخری خط" میں ہندی، جاپانی اور ترکی زبان کے الفاظ کمال فن سے برتے گئے ہیں۔ مثلاً "کاردیش"، "خوش گیلا نیز"، "ایکمک"، "اچک"، "کارن"، "ہاہا"(ماں)، "کین اینونا"، "سہائتا"، "پرنتو"، "اشیر واد"، "اینو موادو کیہا بوتی اتارو" وغیرہ۔

یہ الفاظ موضوع کی وضاحت، مکالمے اور منظر نگاری کی وضاحت میں مددگار ہیں۔ اُسلوب میں جدت کے ساتھ ہی زبان کی نفاست اور لطافت دوچند ہو جاتی ہے۔

افسانہ "آخری خط" مونولاگ بیانیہ ہے۔ جو اپنی اہمیت اور جداگانہ پس منظر کی بدولت منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ اس ضمن میں ممتاز شیریں لکھتی ہیں کہ:۔

> "ایک آدمی اپنی باتیں اور دوسروں سے کہی جانے والی باتیں تفصیل سے سناتا ہے۔ اگر یہ باتیں کہی جائیں تو افسانہ مونولاگ بن جاتا ہے، لکھی جائیں تو خط، مونولاگ میں بیان کرنا، یا خط کی صورت میں لکھنا بڑی آسان تکنیک ہے لیکن اس سے افسانہ بڑا اثر انگیز ہو جاتا ہے۔"(۱۶)

جاپانی، معاشرت کی یہ کہانی مونولاگ ٹائپ میں لکھی ہوئی کہانیوں میں اہمیت کی حامل ہے۔ یہی جدت، اُسلوب کی رنگینی آخری خط، مجموعہ کی دوسری کہانیوں "گوشہ جاپان" اور "گوشہ ترکی" کی کہانیوں میں جھلکتی ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد نے ان کہانیوں میں اپنے مشاہدات و تجربات کے ساتھ ان ممالک کی معاشرتی و ثقافتی، علمی و ادبی زندگی کو بھرپور انداز میں پیش کرتے ہیں اور خصوصاً ان ممالک میں مسلمان جو مختلف شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ ہیں بھی موضوع بنتے ہیں۔

ان ممالک میں بھی 'کوغلو پارک' میں بیٹھی سنہری بالوں اور سبز آنکھوں والی "لالے گل' کو اک سچے پیار اور وفادار ساتھی کی تلاش ہے۔ وہاں کی شیاما بھی کہانیاں سننے سے دلچسپی رکھتی ہے۔ وہاں بھی لوگ شوکیس میں بند اشیا اور شاپنگ کرتے ہوئے مصروف لوگوں کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور پھٹے پرانے جوتوں میں ملبوس بچے قلم، ٹوتھ پیسٹ، یا چاکلیٹ، فٹ پاتھ پر بیچتے نظر آجاتے ہیں۔ ان ممالک میں بھی والدین اپنی بیٹیوں کے گھر بسانے کی فکر میں ہیں۔ نیلگوں کی ماں اپنی بیٹی کو ایک قابل اعتماد ساتھی کے ساتھ ایک گھر میں دیکھنا چاہتی ہے۔

جہاں غربت یا جہالت ہے صرف وہاں مرد کا ہاتھ نہیں اٹھتا بلکہ ان ترقی یافتہ ممالک کی عورتیں بھی مردانہ معاشرے کا شکار ہیں۔

> "وہ کہنے لگی ہم اتاترک کے ممنون ہیں کہ تعلیم، قانون اور سیکولر معاشرے نے ہم عورتوں کو اس طرح کے استحصال سے بچا لیا ہے، اتنی دیر میں قریب کے ایک گھر سے غصیلی آواز گونجی اور پھر یہ آواز متشدد ہوتی گئی، دیہاتی وضع کی ایک عورت بھاری شلوار پہنے واویلا کرتے گلی میں آئی اس کے پیچھے فلمی انداز میں مونچھوں والا ترک ہاتھ میں چھڑی لیے چلا آیا، نوریئے کہنے لگی کہ اصل میں جہاں غربت ہے، وہاں ابھی بھی مرد کا عورت پر ہاتھ اٹھ جاتا ہے، مگر کچھ ہی دیر کے بعد اسے ایک فون آیا، جس پر اس کا اپنا چہرہ فق ہو گیا۔"(١٧)

وہاں بھی شوہر کی وفات پر بیوہ عورتیں سجتی سنورتی نہیں اور نہ ہی خوشبو لگاتی ہیں۔ ان اَن دیکھی تہذیبوں اور معاشرت کو اِن کہانیوں میں ڈاکٹر انوار احمد نے اپنے شگفتہ اسلوب اور افسانے کی جدید تکنیک سے اپنی کہانیوں کو یوں ڈھالا ہے کہ پڑھنے والوں کو اپنے خطے کی معاشرت اور اپنے اردگرد پھیلے ہوئے کردار اور ماحول کی تصویر نظر آتی ہے۔ وہاں کی بے باکی، جنسی بے راہ روی، کا تذکرہ کرتے ہیں مگر ساتھ ہی قاری پر اپنی شرافت اور پاکیزگی کا رعب بھی نہیں ڈالتے۔

'محبوب خلائق اور مردانہ ہاتھ'،'تبریزی لب اور حکایت نے' ان کہانیوں میں تاریخی واقعات کو اپنے شگفتہ اسلوب اور فطری حاضر جوابی کی بدولت اُکتاہٹ پیدا نہیں ہونے دیتے۔

"میں نے کہا میرے شہر میں ایک محلہ ہے، جہاں ایک مذہبی مدرسے کے دروازے پر سوہن حلوے کی دکان بھی ہے، ایک بورڈ پر لکھا ہوا کہ یہاں مسلمان کے لیے حلالے اور سوہن حلوے کا بندوبست کیا جاتا ہے، اس نے کہا سوہن حلوہ کیا ہوتا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ بھی مردوں کے کام ہی آتا ہے۔"(١٨)

وہ ان ممالک کی تہذیب اور معاشرت اور اپنی معاشرت سے موازنہ نہیں کرتے بلکہ حقیقی تصویر دکھا کر نقطہ نظر لاتے ہیں جو ان کی گہری بصیرت کی غماز ہیں۔

ڈاکٹر انوار احمد کی کہانیاں بھی "ناؤمی" کے اپنے باپ کو لکھے ہوئے آخری خط، کی طرح ہیں آپ انہیں جس طریقے سے پڑھیں ہر طریقہ میں اپنے نئے معانی اور مفاہیم عطا کرتی ہیں۔

یہ کہانیاں اپنی عصری تہذیب و معاشرت کا دوسرے ممالک کی حقیقی تاریخ، تہذیب اور معاشرت کی عکاس ہیں۔ یہ کہانیاں نہ تو کسی چودہ سو سالہ قدیم تہذیب کی بازیافت اور نہ ہندو دیومالائی کہانیوں کا نیا روپ۔ یہ

کہانیاں نہ صرف اپنے عصری ماحول تہذیب و ثقافت اور معاشرت کی عکاس ہیں بلکہ ان کے کردار اور زبان و واقعات ان کی تہذیب سے جڑے ہوئے ہیں۔ ہر کہانی اپنی ہی تہذیب سے پھوٹتی ہے اور نمو پا کر ان دیکھی تہذیبوں کی عکاس بن جاتی ہے۔

ڈاکٹر انوار احمد کی کہانیاں قیام پاکستان کے بعد پیدا ہونے والی نسل کی بے چینی سیاسی و معاشرتی منظر نامے کے ساتھ، ترقی یافتہ ممالک کی تہذیب و معاشرت کو اُجاگر بھی کرتی ہیں۔

ان افسانوں کے اندر جدید انسان کی اپنی تہذیب و ثقافت اور روایات سے جذباتی تعلق کی محرومی اور سماجی و معاشی جبر کی بدولت فرد کے بڑھتے ہوئے احساس تنہائی، داخلیت پسندی بے حسی اور لاتعلقی ابھر کر سامنے آئی ہے۔ جس کے پس پردہ معاشی، سیاسی، سماجی، مذہبی اور اخلاقی و نفسیاتی عوامل کارفرما ہوتے ہیں۔ یوں یہ کہانیاں پاکستانی معاشرت و سیاست اور عصری صورتحال کی دستاویز بن جاتی ہیں۔

یہ کہانیاں انوار احمد کو اردو کی افسانوی روایت میں نئے موضوعات اور تکنیک کی سطح پر منفرد تجربات کے حامل کہانی کار کے طور پر شناخت کراتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آسٹر وٹرف، آخری خط، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۰ء ص ٧٦

۲۔ پہلا محب وطن بچہ، ایضاً، ص ۲۳

۳۔ جب راج کرے گی خلق خدا، ایضاً، ص ۱۱۵

۴۔ کمال بستی جڑا چوک، ایضاً، ص ٦٦

۵۔ آخرت ایکسپریس، مشمولہ پہلے سے سنی ہوئی کہانیاں، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۳ء ص ۱۰۷

٦۔ گرجھو والی سرکار، آخری خط، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۰ء ص ۷۹

۷۔ جب راج کرے گی خلق خدا، ایضاً، ص ۱۱۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۲۱

۹۔ درد داں دی ماری دلڑی علیل اے، ایضاً، ص ۵۹

۱۰۔ اصغر ندیم سید، کہانی کار اور کہانی کی کہانی، مشمولہ پہلے سے سنی ہوئی کہانیاں،بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۳ء ص ۲۰

۱۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، نوں جی، آخری خط، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۰ء ص ۱۹

۱۲۔ گونگی غراہٹ، مشمولہ پہلے سے سنی ہوئی کہانیاں، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۳ء ص ۹۲

۱۳۔ ڈاکٹر دل محمد اور دردِ دل، آخری خط، ایضاً، ص ۱۰۹

۱۴۔ نئی دنیا کی تلاش، ایضاً، ۱۵۹

۱۵۔ گرجھو والی سرکار، ایضاً، ص ۸۳

۱۶۔ ممتاز شیریں، معیار، نیا ادارہ، لاہور ۱۹۶۳ء، ص ۵۰

۱۷۔ انوار احمد، ڈاکٹر، آخری خط، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۰ء ص ۱۵۴

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۵۵